بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور
مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ
لاہور

ستمبر 2018ء / ذوالحجہ 1439ھ جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 9

قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا:

''ہم نے اپنی سیاست (کے حوالے سے مستقل حکمتِ عملی) پانچ سو سال پہلے چھوڑ دی اور (بالآخر) شکست کھا گئے اور ہندوستان میں مولوی (مذہبی طبقہ) 1857ء کے بعد سے بالکل پٹ گیا (لاتعلق ہوکر رہ گیا) ہے۔ اب لوگ جدید (عصری) علوم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ خصوصاً حکومتوں اور قوموں کو (حالات کی بنا پر) مجبوراً ادھر چلنا ہے۔ (بلکہ) ان کی ضرورتیں بھی ہیں۔ (حتیٰ کہ) اس لیے (کٹر مذہبی طبقے کے تعاون سے جنوری 1926ء میں جزیرہ نما عرب میں اقتدار حاصل کرنے والے بادشاہ) ابن سعود کی قوم اور وہاں کی حکومت کو بھی اس (جدید علوم) کے بغیر چارہ نہیں ہے۔''

(مجلس: ۳ر محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/ 28ر نومبر 1946ء، بروز: جمعرات۔ مقام: لدھیانہ)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 31-230، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

فہرست مضامین

- صحیح علم سے عدمِ توجہی؛ بے وقوفی کا سبب
- مؤمن؛ اُلفت ومحبت کا خوگر
- حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
- مذہبی اتحاد کی عبرت انگیز شکست
- حکومت اور اپوزیشن
- انسانی زندگی میں ارتقاقات کیسے وجود میں آئے؟
- سلطان محمود غزنویؒ کا غلام کے ساتھ حسنِ سلوک
- نئی حکومت؛ چند معاشی حقائق
- ڈونلڈ ٹرمپ اور ولادی میر پیوٹن کی ملاقات
- سماجی معاہدات توڑنے والوں کی قرآنی مثال
- الیکشن؛ سرمایہ داری کا گھن چکر
- سرمایہ دارانہ نام نہاد جمہوریت ہی کیوں؟
- حقائق کو سمجھنے، شعور کو حاصل کرنے کی ضرورت
- حضرت شیخ مولانا نجم الدین ہڈے مُلّاؒ
- تبصرۂ کتب:
  سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ
  برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ
- حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (نظم)
- دینی مسائل

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صحیح علم سے عدمِ توجہی؛ بے وقوفی کا سبب

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ (13:2)

(اور جب انھیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اَور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں، جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار! وہی بے وقوف ہیں، لیکن علم نہیں رکھتے۔)

گزشتہ آیات میں شروع رکوع سے منافقین کے منفی رویوں اور غلط طرزِ فکر و عمل کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ اس آیت میں ان کی جہالت اور بے وقوفی کا تذکرہ کر کے اُسے دور کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ چناں چہ انھیں اہلِ علم و فکر و عمل کی صحبت اختیار کرنے اور اُن کے مطابق ایمان قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ صحابہؓ کی طرح اپنے اعمال واَخلاق بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ:

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: ’’ایسے ایمان لاؤ، جس طرح صحابہ کرامؓ ایمان لائے۔‘‘ اُن کا علم بھی صحیح ہے اور فکر و نظریہ بھی بلند ہے۔ وہ اخلاصِ نیت اور ایمانی فکر و عمل کے ساتھ دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروفِ عمل رہے، یہاں تک کہ وہ مدینہ میں اپنی ریاست اور مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ جماعت اپنے صحیح علم اور جرأت مندانہ عمل سے کامیابی کا ایک معیار قائم کر چکی ہے۔ وہ اپنے انسان دوست اَخلاق کے سبب مدینہ میں بسنے والی تمام اقوام کو ایک ’’میثاق‘‘ کے تحت ملکی تحفظ دے رہی ہے۔ ایسی معیاری جماعت کے مطابق ایمان قبول کرو گے تو دلوں کے امراض دور ہوں گے اور مملکت میں پیدا ہونے والا فساد ختم ہوگا اور دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔

اب بجائے اس کے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے کامیاب فکر و عمل کو سمجھتے اور اُن کی اتباع میں صدقِ دل کے ساتھ ایمان قبول کرتے، انھوں نے حقیقت کے برخلاف یہ کہہ دیا کہ:

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ: ’’کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟‘‘ سرمایہ پرستی اور انفرادی خواہشات کے اسیر طبقات کے ذہن میں اجتماعی فلاح و بہبود کا علمی نظریہ اور لوگوں کی خیرخواہی اور بھلائی کے عملی کام بے وقوفی شمار ہوتے ہیں۔ دیکھئے ذرا! ایک طرف وہ جماعتِ صحابہؓ ہے، جو اللہ پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہوئے انسانیت کی خدمت کا ایک اعلیٰ معیار قائم کرتی ہے۔ وہ لوگ احکامِ خداوندی پر دل سے کچھ اس طرح فدا اور قربان ہیں کہ لوگوں کی مخالفت اور زمانے کے تغیرات و تبدلات کے نتائجِ بد کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ انقلابی جدوجہد کی وَجہ سے ہونے والے تمام تر جانی و مالی نقصانات کے باوجود، اپنی جان اور مال اجتماعِ انسانی کے فائدے کے لیے قربان کرنے پر تیار ہیں۔ پوری سوسائٹی کو اپنے ساتھ لے کر چلنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے سچا تعلق قائم کرنے کے لیے ہمہ وقت پُرعزم رہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں، جو دھوکا دہی، منافقت، فساد کے مرض میں مبتلا اور سچائی کے پیغامِ فکر و عمل سے بے توجہی کا شکار ہیں۔ ایسے لوگ اگر کامیابی کا معیار دکھانے والی جماعتِ صحابہؓ کو بے وقوف اور کم سمجھ قرار دیں تو اس سے ان کی کم علمی کے مرض کی بدتر حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾: ’’جان لو! کہ وہی بے وقوف ہیں، لیکن علم نہیں رکھتے۔‘‘ علم صحیح حقائق کو دریافت کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ علم کے ذریعے سے انسان کو گرد و پیش کے درست حقائق کا پتہ چلتا ہے۔ انسان اپنے علم و شعور سے ہی صحیح اور غلط میں تمیز پیدا کرتا ہے۔ عقلی اور عملی تجربات سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہ ایک علمی ضابطے اور قاعدے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ علم تصدیق شدہ حقائق کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جو افراد تصدیق شدہ علمی حقائق کو نہ مانیں، حقیقت میں وہی بے وقوف ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی سمجھ داری کی تصدیق مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ صبر و استقامت اور جدوجہد کی زندگی سے واضح ہوتی ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں ایمان و یقین اور علم و عمل میں سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار (السّابقون الاوّلون) کی غزوۂ بدر تک کی کامیاب کارکردگی اس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ بہت عقل مند اور کامیاب جماعت ہے۔ ایسے تجربہ شدہ حقائق کا انکار کرنا دراصل حماقت اور بے وقوفی ہی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے اس آیتِ مبارکہ میں پوری تاکید اور تحقیق کے ساتھ کہا کہ: ’’وہی بے وقوف ہیں۔‘‘ اس حماقت اور بے وقوفی کی بنیادی وَجہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتلا دیا کہ: ’’وہ علم نہیں رکھتے۔‘‘ وہ علم سے کورے ہیں۔ وہ جہالت کی وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ اُن کی اس بات سے ہی جہالت اور حماقت ٹپک رہی ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ اپنی بے وقوفی اور حماقت دور کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کی طرح ایمان لاتے اور ان کی صحبت اختیار کرتے۔ اس لیے کہ صحیح علم تبھی حاصل ہوتا ہے، جب اہلِ علم کی صحبت میں رہتے ہوئے ان کے دریافت شدہ علمی امور کو سیکھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی طرف پوری توجہ دی جائے۔ بے توجہی اور غفلت سے حاصل کیا جانے والا علم اور اس پر ظاہری ایمان بے وقوفی اور حماقت کا سبب بنتا ہے۔ منافقین دعوے دار ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں، جب کہ وہ ایمان سے متعلق بنیادی علوم واَخلاق کی طرف متوجہ ہی نہیں ہیں۔ اُن کی قرآنی علوم سے بے التفاتی اور عدمِ توجہی ہی ہے، جس کے سبب وہ قرآنی علم کی تاثیر سے محروم ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم تو اپنے ماننے والوں میں یہ تاثیر پیدا کرتی ہے کہ وہ متقی بن جاتے ہیں اور اُن سچے اَخلاق و اعمال کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں، جن کا ذکر سورت کی شروع آیات میں کیا گیا ہے۔ بہ ظاہر ایمان کے دعوے کے ساتھ منافقین پر قرآن کی تاثیر اس لیے ظاہر نہیں ہو رہی کہ یہ لوگ سنجیدگی کے ساتھ اس علم کی طرف متوجہ ہی نہیں ہیں۔ اس آیت میں عقل مندی اور بے وقوفی کے درمیان فرق نہ سمجھنے کا سبب علم سے عدمِ آگہی کو قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ گزشتہ آیت میں فساد اور اصلاح کے مفہوم کو درست طور پر نہ سمجھنے کی وَجہ اُن کا شعوری بصیرت سے محروم ہونا تھا۔

اعتذار: گزشتہ ماہ کے درسِ قرآن میں غلطی سے آیت نمبر 12 کے بجائے 13 لگ گئی تھی۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔

---

www.rahimia.org

درسِ حدیث

ازمولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

مؤمن؛ اُلفت و محبت کا خوگر

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

"المؤمن مألف و لا خير فيمن لا يألف و لا يؤلف." (مسند احمد، حدیث 8945)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مؤمن محبت کا پُتلا ہے، اور اس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو نہ لوگوں سے محبت کرے اور نہ لوگ اس سے محبت کریں۔")

اس حدیثِ مبارکہ سے ہمیں مؤمن کی خوبی کے ضمن میں سماجی تعلقات اور دینی دعوت کا بنیادی اصول معلوم ہوتا ہے۔

1۔ اس حدیث میں سماجی حوالے سے یہ رہنمائی ہے کہ مؤمن کو دوسرے انسانوں کے ساتھ نرمی، خوش روئی، شفقت و محبت، اُنس اور وفا شعاری سے پیش آنے کا رویہ اپنانا چاہیے۔ سخت دل، ظالم، شرپسند اور اَذیت پسند لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو شخص دوسرے لوگوں کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش نہ آئے اور لوگ اس سے اس کی بدسلوکی کی وَجہ سے متنفر ہو جائیں، اسے چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد عمدہ اخلاق کی آب یاری کرنا بتایا ہے اور اَخلاق کی درستگی کی کوشش کو جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے۔

2۔ دینی دعوت کے حوالے سے اس حدیث میں یہ رہنمائی ہے کہ اہلِ ایمان جب باطل نظریات رکھنے والوں کو دعوت دیں تو ان سے نفرت اور تعصب کے بجائے محبت، نرمی اور معقول استدلال کی روش اپنانی چاہیے۔ قرآن بھی دعوت میں حکمت اور نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ دعوت کا بنیادی مقصد دوسرے کی منفی سوچ کو بدل کر عملی زندگی کا رُخ درست کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہدف انسان کے دل اور دماغ کے فیصلے کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ انسانی دل و دماغ جبر، نفرت اور ظلم کے ذریعے سے نہیں بدلتے، اُنس اور حسنِ سلوک سے بدلتے ہیں۔ اس لیے داعیانِ دین کو اپنی گفتگو میں نرمی اور استدلال کی قوت کو بنیاد بنانے کے ساتھ عمدہ اَخلاق پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ داعی کو ان رویوں سے گریز کرنا چاہیے، جن سے لوگ بے زار اور متنفر ہوتے ہوں۔

آج ہمارے معاشرے میں مذکورہ دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے خاصی کمزوری پائی جاتی ہے۔ ہم دوسروں کی تکلیف اور ان کی بے عزتی کا سبب بنتے ہیں۔ اور دوسروں کو جس ہمدردی کی ضرورت ہے، ہم اس کا دھیان نہیں رکھتے۔ اسی طرح دینی دعوت میں توہین آمیز گفتگو اور نفرت انگیز رویے عام ہیں۔ قومی لحاظ سے ایک عرصہ ہم نے یوں ہی گزارا ہے۔ آج ہم اس صورتِ حال کے نتائج دیکھ کر پریشان اور فکرمند ہیں۔ یہ صورتِ حال تبھی بدل سکتی ہے، جب ہم اُلفت و محبت کے خوگر ہوں گے۔ احترامِ باہمی اور حکیمانہ اسلوبِ دعوت کی روِش اپنائیں گے۔ اس طریقِ گفتگو کے بعد قرآن کی روشنی میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ دشمنی دوستی میں بدل جائے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہٗ

حضرت عامر ابوعبیدہ بن الجراح فہریؓ کا لقب "امین الامت" ہے۔ آپؓ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ دارِ ارقم میں قیام سے پہلے 27 سال کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔ دونوں بار ہجرتِ حبشہ کی اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جنگِ بدر میں آپؓ کے والد دشمن کیمپ کی طرف سے مقابلے میں آئے تو ایک ہی وار میں اُن کا کام تمام کر دیا۔

اُحد میں جب آپؐ کے چہرۂ انور پر خَود (آئرن کیپ) کی کڑیاں گھس گئیں تو حضرت ابوعبیدہؓ نے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں اور دو دانت ٹوٹ گئے، مگر عشقِ نبویؐ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ صلح حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں شریک ہوئے، بلکہ معاہدۂ صلح پر گواہ بھی ہیں۔ آپؐ نے کئی جنگی و قیامِ امن کی مہمات میں آپؓ کو سالارِ لشکر بنا کر بھیجا۔

حضرت ابوعبیدہؓ فاتحِ شام اور سالارِ اعلیٰ بھی تھے۔ شام کی عیسائی رعایا کو بھی آپؓ کی بے پناہ شفقت نے مرہونِ منت بنا رکھا تھا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے آپؓ کو 400 دینار اور چار ہزار درہم بہ طورِ انعام بھیجے تو آپؓ نے وہ سب فوراً فوج میں تقسیم کرا دیے۔ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: "الحمد للہ! آج بھی ایسے ایثار شعار لوگ ہیں۔" یرموک کے معرکے سے قبل جب جنگی حکمتِ عملی کے تحت مفتوحہ ممالک سے افواج کو دمشق میں جمع کیا گیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کئی لاکھ ٹیکس کی وصول شدہ رقم ذمی رعایا کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ: "ہم اب تمھاری حفاظت نہیں کر سکتے۔" شامی غیر مسلم رعایا پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ لوگ روتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ ایک دفعہ عید کے موقع پر عیسائیوں نے صلیب کا جلوس نکالنے کی اجازت مانگی تو آپؓ نے اجازت دے دی۔ اس طرح آپؓ کی مذہبی رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی عیسائی اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن بن گئے اور ان کے مقابل اس عادلانہ دینی نظام کی ہر طرح کی خدمات سرانجام دینے لگے۔

شام میں حضرت فاروقِ اعظمؓ نے جو اصلاحات کیں، وہ اکثر حضرت ابوعبیدہؓ کے ہاتھوں ہی نافذ العمل ہوئیں۔ ۱۸ھ/639ء کے قحط میں عرب کے لیے غلے سے لدے ہوئے 400 ہزار اونٹ روانہ کیے۔ شام میں قدیم سے بسے عرب قبائل، شامی و رومی عوام کے لیے دعوتِ اسلام کے حوالے سے خاص طور پر بہت اچھے اقدامات کیے اور ان کو اسلام کے قریب لانے میں انتہائی دانش مندی سے کردار ادا کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ایرانی عہدے داروں کی پُرتکلف ضیافت یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ:

"ابوعبیدہ وہی چیزیں کھا سکتا ہے، جو سب مسلمانوں کو کھانے کے لیے میسر آ سکے۔"

دینی تعلیمات، تربیتِ نبویؐ اور ماحول نے مسلمان جماعت میں ایسی خصوصیات و صفات پیدا کر دی تھیں کہ دنیا کی غیر مسلم اقوام بھی ان کے اقدامات اور فیصلوں کو خوشی سے مانتے اور ان کے قریب آتے تھے۔

www.rahimia.org

شذرات

مذہبی اتحاد کی عبرت انگیز شکست

حالیہ الیکشن 2018ء میں مذہبی اتحاد موسوم بہ ''متحدہ مجلسِ عمل'' کی عبرت ناک شکست نے پاکستان میں مذہب کے نام سے جڑے سیاست کرنے والے طبقوں کے کردار اور حکمتِ عملی کی بوسیدگی کو ایک بار پھر طشت از بام کر دیا ہے۔ پاکستان میں مذہبی جماعتیں اپنے آلۂ کار کردار کے باعث ایک بڑی سیاسی قوت کے طور پر تو کبھی بھی نہیں اُبھر سکیں، البتہ ایک پریشر گروپ کے طور پر ان کا کردار ضرور رہا ہے۔ یہ مذہبی قوتیں اقتدار کی رسہ کشی میں کسی ایک فریق سے سودے بازی کے نتیجے میں اپنا پوراز ور اس فریق کے حق میں صَرف کر کے کوئی وقتی نتیجہ ضرور پیدا کر لیتی ہیں۔ اور جب کبھی ان قوتوں کی حمایت کے باعث کوئی فریق حکومت بنانے یا گرانے میں کامیاب ہو جائے تو اس وقت بڑے فخر سے کہا جاتا ہے: ''ہمارے بغیر نہ حکومتیں بن سکتی ہیں اور نہ چل سکتی ہیں''۔

مذہبی جماعتوں کو اب عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے بجائے قومی اور انسانی ایشوز پر عوام کی رہنمائی کرنی چاہیے۔ اور پرانے گھسے پٹے نعروں اور سلوگنز کے بجائے وقت کے تقاضوں کو سمجھا جائے۔ جیسے مذہبی اتحاد کی شکست کے بعد ان کی طرف سے ایک بار پھر پاکستان کے اسلامی نہ ہونے اور مسلمانوں کی تہذیب کو لاحق خطرات، چودہ اگست کا یومِ آزادی نہ رہنا، الیکشن میں بدترین دھاندلی اور ملکی سلامتی کو لاحق خطرات کا عندیہ ایک غور و فکر کے عادی قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کیا نادیدہ قوتیں الیکشن پر پہلی بار اثر انداز ہوئی ہیں؟ یا چودہ اگست ہماری تاریخ میں پہلی بار آیا ہے؟ یا سابقہ حکومتوں کے قائم کردہ اسلامی نظام اور اسلامی تہذیب کے فروغ کے لیے قائم اداروں کے نوٹیفکیشن واپس لے لیے گئے ہیں؟ اور حیرت ہے ضیاء الحق کی میراث کی وارث حکومت کی کرپشن کا خم ٹھوک کر دفاع کس اسلامی اصول یا عمرانی ضابطے کے تحت کیا جاتا رہا ہے؟

مذہب کا نام استعمال کرنے والی جماعتوں کا سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ عام طور پر کرپٹ سیاست دانوں کے ساتھ کھڑی رہتی ہیں۔ اس طرح وہ بالواسطہ کرپشن کا دفاع کر رہی ہیں۔ اب قدرے شعور رکھنے والے مذہبی جماعتوں کے کارکن خود اپنی جماعتوں پر اعتماد نہیں کر رہے۔ کیوں کہ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ دینی کاز کے لیے دیے جانے والا ووٹ سرمایہ داروں اور کرپٹ حکمرانوں کے دفاع اور ان کے اقتدار کے دوام کے کام آتا ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ قومی سیاست میں مذہبی سیاست کے بے وقعت ہونے کے نتیجے میں معاشرے میں سِرے سے دینی وقار ہی مجروح ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سوسائٹی کے اجتماعی زوال کے وقت معاشرے میں تمام طبقے بہ شمول مذہبی طبقہ زوال آمادہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان فرسودہ طبقوں کے ذریعے کسی نئی عمارت کی نیو رکھنا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وقتی مفاداتی سیاست کے بجائے دینی سیاست کے حقیقی تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

حکومت اور اپوزیشن

پاکستانی سیاست میں اس وقت حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی کی صورت حال بہت گھمبیر ہے۔ نئی قائم ہونے والی حکومت نے اپنے دعوؤں کے سبب پوری قوم کی توجہ حاصل کر رکھی ہے اور قوم کی توقعات اور امیدوں کی سطح آسمان کو چھو رہی ہے۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ یہ نومولود حکومت کہاں تک اپنے کیے گئے وعدوں اور قوم کی توقعات پر پوری اترتی ہے۔ تاہم ہر دردِ دل رکھنے والا پاکستانی نئے منتخب وزیرِ اعظم کی تقاریر میں اٹھائے جانے والے نکات کو خوش آئند قرار دے رہا ہے اور اس پر ٹھوس عملی اقدامات کی توقع بھی رکھتا ہے۔ ہم اپنی سابقہ تحریروں میں انھی صفحات پر یہ بات پورے تسلسل کے ساتھ کہتے آ رہے ہیں کہ انتخابات کے نتیجے میں بننے والی حکومتوں سے انقلابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومتوں کے سے اقدامات کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ منتخب حکومتیں سٹیٹس کو کے ایک خاص دائرے سے باہر نہیں جا سکتیں۔

تاہم منتخب حکومت کو اپنے ویژن کے مطابق کام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ سابقہ حکومتوں کی کارکردگی کے نتیجے میں پاکستان تباہی کے جس دھانے پر پہنچ چکا ہے، وہاں سے واپسی ضروری ہے۔ پاکستان کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کی ذمہ دار سیاسی و مذہبی جماعتیں آج کی متحدہ اپوزیشن میں جمع ہیں۔ اپوزیشن میں موجود مختلف عناصر اپنے اپنے ایجنڈے پر ہیں۔ اسی لیے اب تک کے بہت سے معاملات میں اپوزیشن کوئی متفقہ لائحۂ عمل اختیار نہیں کر سکی۔ جیسے وزارتِ عظمیٰ اور صدارت کے متفقہ امیدواروں کا معاملہ ہے۔

آنے والے وقت میں دو فیکٹرز کا بہت اہم کردار ہوگا: ایک حکومت کی کارکردگی اور دوسرا اپوزیشن کا روایتی کردار؛ جو ہمارے ہاں یہ رہا ہے کہ حکومت کو نہ چلنے دیا جائے۔ ساری اپوزیشن جماعتیں مل کر حکومت گرانے کے ون پوائنٹ ایجنڈے پر اپنا سارا زور صَرف کر دیتی ہیں۔ ایسے میں اگر نو منتخب حکومت بری کارکردگی کے ساتھ ساتھ غلطیاں بھی کرے تو وہ اپوزیشن کے کام کو بہت آسان کر دے گی، جس سے ملک سابقہ ادوار کی طرح مسلسل عدمِ استحکام کا شکار رہے گا۔ اس ساری صورتِ حال میں ملک کی پرانی جماعتوں اور نئی منتخب جماعت کے لیے ایک بہت اہم سبق ہے کہ موجودہ برسرِ اقتدار جماعت کو ووٹ عوام کے غصے اور امید نے دلایا ہے۔ وہ پرانی جماعتوں کے مسلسل جھوٹے وعدوں سے تنگ آ کر امید کی ایک نئی کرن کی تلاش میں تھے۔ اگر اب بھی پرانی اور نئی جماعتوں نے اپنی اپنی جماعتوں کو مخصوص خاندانوں اور شخصیات کے اثرات سے نکال کر خالصتاً قومی اور جمہوری راستے پر نہ ڈالا تو عوام کا غم و غصہ اپنے لیے نئے راستے تلاش کرے گا۔ اگر اس پر کوئی تربیت یافتہ جماعت عوام کی قیادت کی ذمہ داری اٹھا لیتی ہے تو بہت خوب، ورنہ پھر ایسے ہی حالات میں قومیں اور معاشرے خانہ جنگیوں اور سول وار کی طرف چلے جاتے ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اب پائیدار اور حقیقی تبدیلی کے نظریے اور فکر و عمل پر ایک قومی جمہوری پارٹی کی تیاری کے لیے ملک کے سنجیدہ طبقوں کو متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ وقت کا اہم تقاضا بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

انسانی زندگی میں ارتفاقات کیسے وجود میں آئے؟

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ انسان کھانے پینے، جنسی تقاضوں کو پورا کرنے، سورج کی تپش اور بارش سے بچاؤ اور سردی میں گرمائش کے حصول وغیرہ جیسی احتیاجات میں اپنے ہم جنس حیوانات کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ہے کہ اُس نے حیوانات کی تمام اقسام میں سے ہر ایک نوع کو طبعی طور پر یہ الہام کیا کہ وہ اپنے نوعی تقاضوں کے مطابق ان حاجات کو سہولت کے ساتھ پورا کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے۔ پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نوع کے تمام افراد اپنی ان حاجات میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ سوائے اُس فرد کے، جس میں پیدائشی طور پر کوئی خرابی موجود ہو۔

چناں چہ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے یہ الہام کیا کہ وہ پھلوں سے اپنی غذا کیسے حاصل کرے؟ پھر وہ اپنی نوع کی تمام مکھیوں کو کیسے ایک جگہ جمع کرنے کے لیے گھر (شہد کا چھتہ) بنائے؟ پھر تمام مکھیاں اپنی سربراہ مکھی (یعسوب) کے احکامات کی کیسے پابندی کرے؟ پھر مکھیاں کیسے شہد جمع کریں؟ اسی طرح چڑیا کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ اپنے کھانے کے غذائی دانوں کو کیسے تلاش کرے؟ پانی کی دستیابی کی جگہوں پر جا کر کیسے پیاس بجھائے؟ بلی اور شکاری سے اپنا بچاؤ کیسے کرے؟ جو بھی اس کی ضروریات کے راستے میں رُکاوٹ بنے، اس پر کیسے جھپٹے اور لڑے؟ جنسی تقاضوں کی تکمیل کے لیے نر اپنی مادہ چڑیا سے کیسے تعلق قائم کرے؟ پھر دونوں مل کر پہاڑوں (بلند جگہوں) پر کیسے اپنا گھونسلا بنائیں؟ پھر دونوں مل کر کیسے انڈوں پر بیٹھیں؟ پھر اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو کیسے چوگا دیں؟

اس طرح حیوانات کی ہر ایک نوع کا (اپنی حاجات پورا کرنے) کے لیے ایک خاص (طبعی الہامی) طریقۂ کار اور شریعت ہے، جو اُن کی (حیوانی) صورتِ نوعیہ کے واسطے سے اس نوع کے تمام افراد کے سینوں میں پھونک دی جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو الہام کیا کہ وہ کیسے اپنی ان تمام حیوانی ضروریات کو ارتفاقات اور سہولیات کی صورت میں پورا کر سکے؟ البتہ حیوان اور انسان میں فرق یہ ہے کہ انسان اپنی اعلیٰ صورتِ نوعیہ کی وَجہ سے پیش آمدہ ان حاجات کو پورا کرنے کے لیے درجِ ذیل تین مزید امور کو اپنے پیشِ نظر رکھتا ہے:

(1) انسان کا ''رائے کلی'' (مفادِ عامہ کے تصور) کو پیشِ نظر رکھ کر کام کرنا۔ حیوان صرف اپنی طبیعت کے تقاضے سے پیدا ہونے والے کسی محسوس یا موہوم غرض کے لیے کام کرتا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، شہوت وغیرہ۔ اور انسان بسا اوقات عقلی اور اجتماعی فائدے کے لیے بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کسی ایسے تقاضے کے تحت بھی کام کرتا ہے، جو اس کی محض حیوانی طبیعت کا تقاضا نہیں ہوتا۔ مثلاً اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ (i) وہ اپنے ملک میں ایک اچھا اور صالح نظام قائم کرے۔ (ii) یا اپنے اَخلاق کی تکمیل اور اپنے نفس کو مہذب بنائے۔ (iii) یا آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی اچھا کام کرے۔ (iv) یا لوگوں کے دلوں میں اپنی جاہ و مرتبت کا رعب پیدا کرنے کے لیے کوئی عمدہ کام کرے۔

(2) ''ظرافت'' (حُبِّ جمال): انسان اپنی حاجت کی تسکین کے لیے کیے جانے والے کام میں ظرافت اور خوب صورتی کا لحاظ رکھتا ہے۔ چناں چہ جانور صرف اتنا چاہتا ہے کہ اُس کی حاجت (مثلاً بھوک، پیاس یا وقتی ضرورت) پوری ہو جائے، جب کہ انسان بسا اوقات یہ چاہتا ہے کہ اُس کی حاجت کچھ اس طرح سے پوری ہو کہ اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس کو لذت حاصل ہو۔ چناں چہ وہ چاہتا ہے کہ بیوی خوب صورت ہو۔ کھانا لذیذ اور عمدہ ہو۔ لباس فاخرانہ ہو اور مکان بلند و بالا ہو۔

(3) (ایجاد و تقلید کا مادہ): انسانوں میں عقل منداور سمجھ دار لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ انسانی سوسائٹی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بہترین اور عمدہ ارتفاقات پر مشتمل اچھے طریقے اور ایجادات دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے دل میں نئی ضرورتوں کا احساس تو پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ خود اپنے لیے کوئی اچھا طریقۂ کار دریافت نہیں کر پاتے۔ جب وہ عقل مندوں اور حکما کو دیکھتے اور سنتے ہیں کہ انھوں نے اس نئی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی ایجاد دریافت کر لی ہے تو وہ دل سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ہر نئی ہونے والی ایجاد کو بڑی قوت سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اُن کے ذہن میں پیدا ہونے والی ضرورت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

بسا اوقات ایک انسان بھوکا اور پیاسا ہوتا ہے۔ اس کے پاس کھانا اور پانی نہیں ہوتا۔ وہ بڑی شدید تکلیف میں مبتلا ہو کر اُسے حاصل کر پاتا ہے۔ اس موقع پر اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایسی ضرورت کے وقت کوئی ایسا ارتفاق اور طریقۂ کار ہونا چاہیے، جس سے یہ تکلیف نہ ہو، لیکن وہ خود ایسا نہیں کر پاتا۔ پھر ایسی ہی مشکل صورتِ حال کسی حکیم اور سمجھ دار آدمی کو پیش آ جاتی ہے۔ وہ کوشش کر کے مثلاً بھوک مٹانے کے لیے غذا بخش بیج دریافت کر لیتا ہے۔ اُن کو کاشت کرتا ہے۔ کھیت میں پانی لگاتا ہے۔ فصل کاٹتا اور اُسے گاہتا ہے۔ دانوں کو بھوسے سے الگ کرتا ہے اور ضرورت کے وقت تک کے لیے انھیں محفوظ کرنے کا طریقہ دریافت کر لیتا ہے۔ اس طرح کھانے کے حصول کا ایک پورا ''ارتفاق'' وجود میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح وہ چشموں اور دریاؤں سے دور رہنے والے لوگوں کے لیے کنوئیں کھود کر پانی نکالنے کا طریقہ دریافت کرتا ہے۔ برتن، مٹکے اور مشکیزے بنانے کا طریقہ دریافت کرتا ہے۔ یوں پانی کے حصول کا ایک پورا ارتفاق وجود میں آ جاتا ہے۔

پھر اسی طرح پہلے پہل انسان نے کچی غذائی اجناس کھائیں تو ان کے معدے میں ہضم نہیں ہوئیں۔ کچے پھل کھائے تو وہ ہضم نہیں ہوئے۔ اب ضرورت پیش آئی کہ اس حوالے سے کچھ کیا جائے۔ عام انسان اس کا حل نہیں کر سکتا۔ چناں چہ سمجھ دار حکیم نے طریقہ دریافت کیا کہ اناج کے دانوں کو پکایا جائے اور گلایا جائے۔ نیز گندم کے دانوں کو پیسا جائے اور روٹی تیار کی جائے۔ اس طرح ارتفاقات کا ایک اَور دروازہ کھل گیا۔ اسی طرح تمام انسانی حاجات کے ارتفاقات اور طریقہ ہائے کار دریافت کرنے کو قیاس کر لو۔''

(باب کیفیة استنباط الارتفاقات، مبحث الثالث: مبحث الارتفاقات)

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

سلطان محمود غزنوی کا غلام کے ساتھ حسنِ سلوک

سلطان محمود غزنوی (1030ء-971ء) ہندوستان میں اسلامی قومی دور کے معمارِ اوّل ہیں۔ کیوں کہ غزنی بھی ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ انھوں نے یہاں کی محکوم قوموں کو حقیقی معنوں میں آزادی دلائی۔ عدل و انصاف کا نظام قائم کیا۔ یہاں تک کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، شفقت اور رحم دِلی کا ایسا برتاؤ قائم کیا، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ درجِ ذیل واقعہ اس پر شاہد ہے:

''ایک بار سلطان محمودؒ کی ہندوستان کے ظالم حکمرانوں سے جنگ ہوئی اور بہت سے لوگ اس جنگ میں قید ہوئے، جن کو اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ ان میں ایک آدمی بہت ہونہار اور ذہین تھا۔ سلطان نے اس کی صلاحیت معلوم کر کے اس کو ہر قسم کے علوم وفنون کی تعلیم دی۔ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دیے گئے، حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کو ایک بڑے صوبے کا صوبے دار بنا دیا گیا۔ صوبہ غور کی حیثیت اس وقت وہ تھی، جو آج کل کے بڑے والئ ریاست کی حیثیت ہوتی ہے۔ جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھلایا اور سر پر تاج رکھا تو وہ رونے لگا۔ سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا؟ اس نے عرض کیا: جہاں پناہ! اس وقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آیا۔ پھر اپنی یہ قدر ومنزلت دیکھ کر رونا آ گیا۔ حضور! جس وقت میں ہندوستان میں بچہ تھا، آپ کے خلاف ایسا غلط پروپیگنڈا تھا کہ ہندوستان کے لوگ کانپتے تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔ میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم محمود کیسا ظالم وجابر ہوگا، حتیٰ کہ آپ کا اس فوج سے مقابلہ ہوا، جس میں مَیں موجود تھا۔ اس وقت تک میں آپ کے نام سے بھی ڈرا کرتا تھا۔ پھر میں آپ کے ہاتھوں قیدی ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں، مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے خلاف میرے ساتھ وہ برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر تاجِ سلطنت رکھا جا رہا ہے۔ اس وقت مجھے یہ خیال کر کے رونا آ گیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ دیکھ! یہ وہی محمود ہے، جس کو تُو خوف کا ہوّا بتلایا کرتی تھی۔''

سلطان محمود غزنوی کا یہ واقعہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ: (۱) ہمارے عادل حکمران جنگیں دوسری قوموں کو لوٹنے اور غلام بنانے کے لیے نہیں، بلکہ عدل وانصاف کے لیے لڑتے تھے۔ (۲) اسلام میں غلامی کی حقیقت پر بھی اس واقعے سے روشنی پڑتی ہے کہ غلام صرف جنگی قیدی ہوتے تھے اور ان کو تعلیم وتربیت دے کر اپنے جیسا حکمران بنایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ محمود و ایاز میں سماجی مساوات ایک ضرب المثل اور شعروں میں استعارہ بن گئی۔ ؎ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

(۳) آج دوبارہ یہی جذبۂ انسانیت اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی پر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے زوال کا نوحہ کرتے ہوئے اسی مثال کو پیش کیا ہے ؎

نہ غزنوی میں تڑپ رہی　　نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

نئی حکومت؛ چند معاشی حقائق

الیکشن کے بعد بننے والی نئی حکومت کو متعدد چیلنجوں کا سامنا ہے، جن میں سب سے اہم اور فوری درآمدات کی ادائیگیوں کے لیے 12 ارب ڈالر کی فراہمی ہے۔ اس کے علاوہ اندرونی و بیرونی قرضوں کی اقساط، درآمدات میں اضافہ، بجلی کے کارخانوں کو ادائیگیاں، حکومتی اداروں کا خسارہ، بجٹ کا خسارہ، غربت و بے روزگاری وغیرہ وغیرہ۔ ماضی میں ایسے مواقع پر کوئی فوجی آمر معیشت کی ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر انتہائی اقدام اٹھا لیا کرتا تھا اور بعد ازاں معیشت کے اعشاریوں کو مناسب حد تک درست کر کے اقتدار سول حکومت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ اب فوجی طالع آزما کے راستے بہ ظاہر بند کر دیے گئے ہیں۔ اب یہ کام سول حکومتوں کو ہی کرنا ہے۔ اس لیے نئی حکومت کا چیلنج اچھوتا اور بڑا ہے۔ اس تناظر میں آمدہ حکومت کو چاہیے کہ چند محدود مدتی اور طویل مدتی اقدامات بروئے کار لائے، تاکہ معیشت کو کچھ سانس آئے۔

محدود وقتی اقدامات

1۔ ان میں سب سے اہم چند ہفتوں میں 12 ارب ڈالر اور چھ ماہ میں کل ملا کر 20 ارب ڈالر کی فراہمی ہے۔ اس مقصد کے لیے بہتر ہے کہ دوست ممالک سے رابطہ کیا جائے۔

2۔ وفاقی بجٹ 19-2018ء کا جائزہ لیا جائے اور اسے ردّ و بدل کے ساتھ دوبارہ منظور کروایا جائے، اور غیر ترقیاتی اخراجات میں واضح کمی لائی جائے۔ بجلی پیدا کرنے والے کارخانوں کے ساتھ ناقص معاہدوں پر دوبارہ گفت وشنید کی جائے اور ان کے نقص کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ادائیگیوں پر چھوٹ طلب کی جائے۔

3۔ وزیرِاعظم ہاؤس کے علاوہ پورے ملک میں موجود عہدے داران کے دفاتر اور رہائش گاہوں پر ہونے والے اخراجات پر کم از کم 50 ارب روپے کی کمی لائی جائے۔ یاد رہے کہ صرف وزیرِاعظم ہاؤس پر سالانہ 3.5 ارب روپے خرچ ہوتا ہے۔

4۔ بیرونِ ملک مقیم پاکستانی سالانہ بنیادوں پر قریباً 20 ارب ڈالر بھیجتے ہیں۔ اس کو بڑھانے کے لیے محفوظ اور بہتر سرمایہ کاری کی سکیموں کا اجرا کیا جائے۔

5۔ درآمدات کا جائزہ لیا جائے اور ان میں خاطر خواہ کمی کے فوری اقدامات کیے جائیں، لیکن اس میں یہ خیال رکھا جائے کہ اس عمل سے بے روزگاری میں اضافہ نہ ہو۔ درآمدات میں قابلِ ذکر اشیا اور ان کے ڈالرز میں سالانہ درآمدی بل یہ ہیں: ایندھن 14 ارب، مشینری 7 ارب، گاڑیاں 2.7 ارب، خوردنی تیل 2 ارب، موبائل فون 1.3 ارب، جنریٹر 1 ارب۔ مندرجہ بالا فہرست میں تمام درآمدی اشیا پر قابلِ قبول کٹوتی کر کے کروڑوں ڈالر بچائے جا سکتے ہیں۔

6۔ سب سے اہم بیرونِ ملک بینکوں میں موجود لوٹی ہوئی دولت کی واپسی کے لیے قانونی وسفارتی کوششیں تیز کر دی جائیں۔ اور اس کے لیے چائنیز وسعودی ماڈل بروئے کار لایا جائے تو مضائقہ نہیں ہوگا۔

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ڈونلڈ ٹرمپ اور ولادی میر پیوٹن کی ہلسنکی میں ملاقات

فن لینڈ کے دارالحکومت ہلسنکی کے صدارتی محل میں 16 / جولائی 2018ء کو دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہان کے درمیان براہِ راست پہلی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کو کوریج دینے کے لیے پوری دنیا کے میڈیا ہاؤسز سے کم و بیش 1500 صحافی مدعو تھے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ ان دنوں یورپ کے دورے کے دوران برطانیہ میں موجود تھے، جہاں سے فن لینڈ ہوائی جہاز سے ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ دوسری طرف روس کے صدر فٹ بال کے عالمی مقابلے کے فائنل راؤنڈ کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے اسی روز یعنی سوموار کو ماسکو میں تھے۔ وہاں سے بھی فن لینڈ کا ہوائی جہاز کے ذریعے ایک گھنٹے کا سفر ہے۔ فن لینڈ یورپ کا ایک ایسا ملک ہے، جس کے دونوں بڑی طاقتوں کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ سرد جنگ کے دور میں بھی اس نے دونوں ملکوں کے لیے میزبانی کا فرض احسن طریقے سے نبھایا تھا۔ یہیں پر دونوں صدور کی 1975ء، 1988ء اور 1990ء میں بھی ملاقاتیں ہوچکیں ہیں۔ روس کے تحلیل ہونے کے بعد 1992ء اور 1997ء میں بھی ان دونوں طاقتوں نے عالمی مسائل پر اسی شہر میں بیٹھ کر غور و فکر کیا تھا۔

اس ملاقات کے منعقد ہونے کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ امریکا کو گزشتہ ماہ 8، 9 / جون کو G-7 کے کینیڈا میں ہونے والے اجلاس میں کچھ ایسے معاملات کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں امریکی صدر کو اپنے سیکیورٹی ایڈوائزر کو حکم دینا پڑا کہ وہ فوری طور روس کے صدر سے اس کی ملاقات کا بندوبست کرے۔ صدر کی سیکیورٹی کے ایڈوائزر مائیکل بولٹن نے ٹرمپ کی منشا کے مطابق پیوٹن سے ملاقات کے لیے 16 / جولائی 2018ء کے وقت کا تعین کر دیا۔

دوسرا پہلو یہ تھا، جس کے بارے میں صحافیوں نے بریفنگ کے بعد سوالات بھی اٹھائے۔ مثلاً امریکا میں یہ بات زیرِ بحث ہے کہ روس 2016ء کے انتخابات میں مداخلت کرکے نتائج بدل کر امریکا کے لیے ایک کمزور صدر کو منتخب کروانے میں کامیاب ہوگیا ہے، جب کہ دوسری صورت میں ہیلری کلنٹن الیکشن جیت رہی تھی، جس نے ایک منجھی ہوئی صدر ثابت ہونا تھا۔ لہٰذا وہ اس بات کو تسلیم کرے کہ اس نے حقیقتاً ایسا کیا ہے۔ بادی النظر میں دیکھیں تو یہ سوال طفلانہ نوعیت کا لگتا ہے۔ کیوں کہ اگر روس انتخابات میں ملوث ہونے کے الزام کو قبول کرلیتا ہے تو امریکا کی عالمی حیثیت پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان قائم ہوجاتا ہے۔ چوں کہ امریکا خود اس قسم کی حماقتیں کرتا رہا ہے اور دنیا کے وہ ممالک جو اس کی سازشوں کا شکار ہوئے ہیں، ان کے عوام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہوں گے؟ اس کی سیاہ کاریوں کی ایک جھلک آج عراق، تیونس، الجزائر، لیبیا، یمن، افغانستان اور شام میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ویسے ملاقات کے دوران روسی صدر نے امریکی صدر کے اس الزام کو مسترد کردیا تھا۔

تیسرا پہلو یہ تھا کہ اس ملاقات سے امریکا کیا سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟ وہ قابلِ غور اور اہم ترین ہے۔

امریکی انتظامیہ آج گلہ کر رہی ہے کہ کسی دوسرے ملک نے اس کے انتخابات کے نتائج کو امریکی عوام کی منشا کے برخلاف تبدیل کردیا ہے۔ اس کا سارا الزام روس پر لگایا جارہا ہے اور پھر اس کی تصدیق بھی کرواتا پھرتا ہے۔ وہ تمام ممالک جو امریکی بالادستی کا راگ الاپتے پھرتے ہیں اور اس کے سپر پاور ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے، ان سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

امریکی صدر کا یہ کہنا کہ روس امریکا تعلقات تاریخ کے تلخ ترین اور انتہائی پست سطح پر پہنچے ہوئے تھے، جب کہ اس ملاقات کے بعد اب ان میں بہتری آنا شروع ہوگئی ہے۔ سرمایہ دار دنیا کا حالیہ اقتصادی ماڈل جن مشکلات کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، اس کے مفکرین اور تھنک ٹینکس اس کے لیے کسی ریلیف پیکیج کا اہتمام نہیں کرسکے۔ کیوں کہ G-7 کے ارکان اپنی اپنی معاشی تنگ دستی کے باعث آپس میں اُلجھتے پھرتے ہیں۔ خود امریکا کا سالانہ خسارہ 833 ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے، جس کے لیے اس کی کوشش ہے کہ اندرونِ ملک صنعتوں کو فروغ دینے کے لیے درآمدات پر بھاری ٹیکس عائد کیے جائیں۔ ظاہر ہے جن ملکوں کی وہ برآمدات ہیں، ان ملکوں کی صنعتیں سست روی کا شکار ہوں گی، جس سے معاشی بحران مزید گہرا ہوگا۔

مشرقِ وسطیٰ میں لگائی گئی آگ، جس نے کروڑوں انسانوں کو جلا کر خاکستر کردیا، جس کا مقصد مخالف فریق کو اس کے حریفوں سمیت نیست و نابود کرنا تھا، اس میں ناکامی ہونا، یہ اتنی بڑی ذلت آمیز شکست تھی۔ لہٰذا اس خواری پر پردہ پوشی کے لیے انھوں نے ہوا کا رُخ ہی بدل دیا۔ امریکی صدر نے مسئلے کو رُکن ملکوں کے مابین معاشی مفادات کے ٹکراؤ اور اُلجھاؤ کا شکار کردیا۔ اور محض یہ کہنا شروع کردیا کہ G-7 کے رُکن ممالک کو چاہیے کہ وہ امریکا کے درآمدات پر ٹیکس عائد کرنے کے عمل میں تعاون کریں۔ اور دوسری طرف جو ملک اس سلسلے میں مزاحمت کر رہے تھے، جن میں کینیڈا اور جرمنی شامل تھے، انھوں نے روس کے آپشن کو اختیار کرنے کا جو عندیہ دیا تھا، ٹرمپ نے انھیں احساس دلانے کے لیے کہ میرے روس کے ساتھ تم سے زیادہ اچھے تعلقات ہیں، یہ ملاقات رکھی۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ روس کی حیثیت کو امریکی صدر نے اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف جوں ہی امریکی صدر نے روسی صدر سے ملاقات کرنے کا عندیہ دیا، روسی صدر ایسے ملاقات کے لیے پہنچ گئے، جیسے وہ صدیوں سے محبوب کی زیارت کے لیے ترس رہے ہوں۔ حال آں کہ اس سے پہلے کے تمام حالات و واقعات میں پیوٹن کے اقدامات کا تجزیہ کرنے سے ثابت ہوتا رہا ہے کہ اس نے اپنے مخالف فریق کو تقریباً تمام محاذوں پر شکست سے دوچار کیا ہے۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

سماجی معاہدات توڑنے والوں کی قرآنی مثال

3/ اگست 2018ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! کتابِ مقدس قرآن حکیم انسانی اجتماع کا درست خطوط پر تحلیل و تجزیہ کرتی ہے۔ اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے زندگی کے مختلف امور پر بنیادی قوانین اور ضابطوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ اس سے وہ لوگ رہنمائی اور ہدایت حاصل کرتے ہیں، جو تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے اور مخلوقِ خدا کی خدمت کی نیت سے اس کتابِ مقدس قرآن حکیم کو پڑھتے ہیں۔ اگر تقویٰ کی نیت نہ ہو تو پھر دو ہی شکلیں سامنے آتی ہیں: یا تو کفر ہے کہ دین کا مکمل انکار کرنے والے ایسے لوگ، جن کے کانوں، آنکھوں اور عقل و شعور پر پردہ آچکا ہے۔ دوسری شکل منافقت کی ہے کہ بہ ظاہر ایمان قبول کریں اور سماجی معاہدات مانیں، لیکن حقیقت میں وہ ایمان نہیں لاتے اور کیے ہوئے معاہدات توڑ دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسے سمجھانے کے لیے کئی مثالیں دی ہیں۔

قرآن حکیم نے طے کیے گئے معاہدات اور قوانین کو توڑنے والوں کی ایک مثال اس بوڑھی عورت کے کردار کی دی ہے، جو بڑی محنت اور مشقت سے چرخے پر سوت کات کر دھاگے کی اَٹی (غزل) تیار کرتی۔ پھر اسے اُدھیڑ کر ضائع کر دیتی۔ سُوت کاتنا دراصل روئی کے منتشر اجزا کو ایک دھاگے کی صورت میں پرونا ہے۔ انسانی زندگی کے معاہدات اور سماجی قوانین بھی مختلف اور منتشر انسانی امور کو ایک مربوط اجتماعی نظم و غزل کی صورت دیتے ہیں۔ ایسے معاہدات کرنا اور پھر انھیں توڑنے کا کام وہی کرسکتا ہے، جو دماغی خلل میں مبتلا ہو کہ پہلے بڑی محنت اور مشقت سے ایک معاہدہ اور عہد قبول کرے اور پھر اُس معاہدے کو توڑنے اور تباہ و برباد کرنے کے لیے کردار ادا کرے۔ جیسے ٹوٹا ہوا دھاگا کسی کام نہیں آتا۔ نہ کپڑا بُنا جاسکتا ہے، نہ اُس کپڑے سے انسانوں کا تن ڈھانپا جاسکتا ہے، ایسے ہی منافقت پر مبنی معاہدات انسانیت کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوتے۔

المیہ یہ ہے کہ گزشتہ ستر سال سے پاکستانی قوم کی لیڈرشپ بھی ترقیٔ معکوس کے اسی دائرے میں داخل ہے۔ پاکستان کا انتخابی نظام اس کی واضح مثال ہے۔ ہر الیکشن سے پہلے سرمایہ داری نظام کے سارے کھلاڑی اسی نظام کے تحت سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، اور الیکشن قوانین پر مشتمل ایک ''غزل'' (دھاگے کی اَٹی) تیار کرتے ہیں کہ یہ الیکشن رولز ہوں گے۔ یہ الیکشن کمیشن ہوگا۔ اس طرح سے ووٹنگ ہوگی۔ اس طریقے سے نتیجہ بنے گا۔ لیکن نتیجہ آتا ہے تو ہارنے والے جیتنے والے پر دھاندلی کے الزامات لگا کر اپنے ہی طے کردہ قوانین کے مطابق ہونے والے الیکشنز کے نتائج کو غلط قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ دنیا میں کسی قوم کی مہذب لیڈرشپ ایسا کام نہیں کرتی، جو اس قوم کی لیڈرشپ کرتی چلی آرہی ہے۔''

الیکشن؛ سرمایہ داری کا گھن چکر

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''بات صرف 2018ء کے الیکشن ہی کی نہیں، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوٹوک اور قطعی بات ہے کہ سرمایہ داری نظام کے تحت سو الیکشن بھی کرالیں تو نتائج ایسے ہی ہوں گے۔ ہم تو اس سرمایہ دارانہ نظام کے ہی سِرے سے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ یہ دینی تعلیمات سے متصادم ہے۔ یہاں بات ہماری نہیں ہو رہی، بلکہ اُن لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ جو اس سرمایہ داری نظام کے کھلاڑی ہیں اور اس کے تحت باہم مل کر متفقہ طور پر انتخابی کھیل کے قواعد و ضوابط بناتے اور اسی کے مطابق یہ کھیل کھیلتے ہیں۔ اور جب اسی کے تحت رزلٹ آتا ہے تو ہر دفعہ سارے ہارنے والے جیتنے والوں کے خلاف جمع ہو جاتے ہیں۔ اُن کے خلاف تحریک چلاتے ہیں۔ جب سے اسلام کا نام بھی اس کھیل میں استعمال ہونا شروع ہوا ہے، تب سے مذہبی طبقے بھی اس کھیل کا حصہ بن گئے۔ وہ بھی ایک قدم بڑھ کر سرمایہ داری نظام سے حصہ بہ قدرِ جثہ ذاتی و گروہی مفادات اٹھا رہے ہیں۔

بھائی! وہ قانون اور ضابطہ جسے حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار نے مل کر نافذ کیا اور ایک متفقہ ریفری؛ الیکشن کمشنر مقرر کیا، طے شدہ قوانین کے مطابق اس نے جو فیصلہ دیا، اس کے تحت جس پارٹی کو اقتدار ملا، اپنے طے کردہ ضابطے کے مطابق اسے کام کرنے دینا چاہیے۔ لیکن نہیں! چوں کہ ملک غلام ہے، اس لیے عالمی طاقتیں اور اُن کے گماشتے ہر دفعہ دھاندلی دھاندلی کا شور مچا کر یہاں پر سیاسی عدمِ استحکام برقرار رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہر نئی حکومت پر دباؤ رکھا جائے اور وہ کوئی درست فیصلہ نہ کرسکے۔

برعظیم پاک و ہند میں جمہوریت کا تعارف برطانوی سرمایہ داری نظام کے ماتحت ہوا ہے۔ انڈیا ایکٹ 1935ء کے نفاذ سے لے کر اب تک جتنے الیکشنز ہوئے ہیں، وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی اساس پر ہوئے ہیں۔ ان میں سرمائے کا عمل دخل پوری طرح سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس میں عوامی مفاد اور اجتماعی تقاضوں کی تکمیل پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ آج بھی جو نظام چل رہا ہے، وہ اُسی سرمایہ پرستانہ سوچ پر مبنی ہے۔ اس دور میں جدید نوآبادیاتی تسلط کے لیے الیکشنز کرائے جاتے ہیں، جن کا مقصد ملک میں سیاسی اور معاشی استحکام پیدا کرنا نہیں ہوتا، بلکہ عالمی طاقتوں کے مفادات کے لیے ملک میں معاشی بے یقینی اور سیاسی عدمِ استحکام کی صورت کو طول دینا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر الیکشن کے بعد اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین اور الیکشن رولز کو تسلیم نہ کرتے ہوئے دھاندلی دھاندلی کا ایسا شور مچایا جائے کہ ملک سیاسی استحکام کی طرف گامزن نہ ہو۔ 1946ء سے لے کر اب تک ہر الیکشن میں ایسے ہی ہوتا آیا ہے اور آج 2018ء کے الیکشن میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ یہ سب سرمایہ دارانہ نظام کے بداثرات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قومیں ایک صحیح نظریے اور شعور کی اساس پر حقیقی عوامی لیڈرشپ قومی جمہوری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کردار ادا کرتی ہے تو ملک میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور معاشی ترقی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔''

www.rahimia.org

سرمایہ دارانہ نام نہاد جمہوریت ہی کیوں؟

حضرت آزادرائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’الیکشن 2018ء ہوگیا۔ حسبِ معمول الیکشن کے بعد دھاندلی دھاندلی کا شور مچایا جا رہا ہے۔ کیوں؟ تاکہ اس کشمکش میں ریاست اور ملک کی سیاسی اور معاشی قوت کا حکومتی نظام عدمِ استحکام سے دوچار رہے۔ اور کوئی حکومت آزادانہ طور پر فیصلے نہ کرسکے۔ سامراج کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے استحصال کی طرف توجہ نہ دے سکے، جو اس دھاندلی کے شور کے ضمن میں لوٹ مار کر کے پورے ملک کو کنگال بنا رہی ہیں اور ملک کی دولت لوٹ لوٹ کر لے جا رہی ہیں۔ توجہ صرف اس پر ہو کہ جی الیکشن صحیح ہوئے تھے یا صحیح نہیں ہوئے تھے۔ دھاندلی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ مضبوط اپوزیشن کے نام پر دھاندلی کا شور زیادہ مچایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ حکومت میں آجائیں تو وہاں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔ اگر ہارنے والے نے ہار تسلیم نہیں کرنی تو پھر الیکشن کا ڈراما رچانے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر آپ نے اس سرمایہ دارانہ نام نہاد جمہوریت کو قبول کیوں کیا؟ پھر مان لیا جی ایک دفعہ دھاندلی ہوئی، دوسری دفعہ ہوئی، تیسری دفعہ ہوئی۔ ہر دفعہ اگر دھاندلی ہی ہوتی ہے تو ایسے الیکشن کا بائیکاٹ کیوں نہیں کرتے؟ اعلان کیوں نہیں کرتے کہ ہم اس نظام کا حصہ نہیں بنیں گے۔ اس میں تو ہر دفعہ دھاندلی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں مثالیں امریکا کی جمہوریت کی دی جاتی ہیں، جب کہ امریکا میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت صدارتی الیکشن لڑنے والا ایلگور اپنے مقابل سے صرف ایک ڈیڑھ فی صد کے فرق سے ہار جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے مخالف کے پاس چھ بلین ڈالر تھے، اس لیے وہ جیت گیا۔ اگر وہ میرے پاس ہوتے تو میں الیکشن جیت جاتا۔ امریکی اکانومی کو کنٹرول کرنے والے سرمایہ داروں، جاگیرداروں، پینٹاگون اور امریکی فوج کا ووٹ ایلگور کے حق میں نہیں تھا۔ جب کہ عوام کا زیادہ ووٹ اس کے حق میں تھا، لیکن اس کے باوجود جتایا کسی اَور کو جاتا ہے۔ اور سپریم کورٹ آف امریکا بھی عوام کے ووٹ کے خلاف صدر بش کو کامیاب قرار دیتی ہے۔ اس کے باوجود اس ہارنے والے ایلگور نے کوئی تحریک نہیں چلائی۔ کوئی دھاندلی کا رونا نہیں رویا۔ لیکن یہ عجیب ملک ہے۔ امریکا کی نقل اُتارنا چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کو مسلط کرنا چاہتا ہے۔ سرمائے کے اثر و رسوخ کو مانتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مذہبی طبقہ جسے سرمائے کو خدا نہیں ماننا چاہیے، اس نے بھی سرمائے کو طاقت ور ماننا شروع کر دیا۔ وہ بھی سرمایہ دار اور جاگیردار ہی کو ٹکٹ دے کر مقابلے پر میدان میں کھڑا کر دیتا ہے۔ جب سرمائے کو رولنگ کردار ادا کرنے کا مؤقف سب نے تسلیم کرلیا، تو اسی کے مطابق اگر الیکشن کا فیصلہ آتا ہے تو اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں؟! اس نظام کے تحت جس نے زیادہ پیسے خرچ کیے، جس نے زیادہ نوٹ خرچ کر کے زیادہ ووٹ خریدے، اگر بالفرض وہ جیت گیا ہے، یا جتایا گیا ہے، اگر اسے تسلیم نہیں کرتے تو پھر پورے سسٹم کا انکار کرو اور اس سے علاحدہ ہو جاؤ۔‘‘

حقائق کو سمجھنے، شعور کو حاصل کرنے کی ضرورت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’مسلم اور پیپلز کے نام سے بننے والی سابقہ حکومتوں نے اپنے اپنے دور میں ملک کو اربوں کھربوں ڈالر کا مقروض بنا دیا، کیا آج کی متحدہ اپوزیشن کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی توفیق ہوئی؟ اب بھی سارا ملک قرضوں پر چل رہا ہے، اس کے خلاف تو کسی نے متحدہ محاذ نہیں بنایا۔ ملک اور قوم کی تباہی، معاشی سسٹم کی زبوں حالی، بدامنی اور غربت و افلاس کے اور دوسرے ملکوں سے قرض کی بھیک مانگنے کے اصل ایشوز پر تو کوئی بات نہیں کر رہا۔ عالمی سرمایہ داری نظام تو جو ظلم کرتا ہے، سو کرتا ہے، لیکن یہ سرمایہ داروں اور عالمی سامراج کی کٹھ پتلیاں اس ملک کی شناخت بنانے، اس کا مستحکم سیاسی و معاشی سسٹم بنانے میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہیں۔ ان کا علاج وہی ہے جو امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کہا تھا کہ یہ قیادت نااہل ہے۔ یہاں کا مذہبی طبقہ یہاں کے سیاست دان، معیشت دان، پروفیسر، انجینئر اور لیڈرشپ کی اکثریت نااہل ہے۔ جب تک ان نااہلوں کو اٹھا کر باہر نہیں پھینکا جائے گا، اور نئی نوجوان نسل' قوم کے اصل ایشوز سمجھنے اور ان کو حل کرنے پر تیار نہیں ہوگی، اس وقت تک مسائل حل نہیں ہوں گے۔ چاہے کتنے ہی سال لگیں، قوم کو اس طرف آنا ہوگا۔

پارٹیوں کے دیوانے ان جماعتوں کے ورکر بھی عجیب لوگ ہیں۔ جانتے بوجھتے ہوئے اور سارے حقائق کا علم ہونے کے باوجود بھی کوئی کہتا ہے ’ساڈا شیر‘، ’ساڈی کتاب‘، ’ساڈا تیر‘ تو کوئی کہتا ہے ’ساڈا بلا‘۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی جہالت اور بے وقوفی کے کام میں مبتلا ہیں۔ اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تیار نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی حالت کیسے بدلے گا۔

آج ہمیں سوچنے اور سمجھنے، قرآن کی آیات کے تناظر میں اپنی اجتماعیت کا جائزہ لینے، اپنے حکومتی نظام اور اپنے سیاسی و معاشی رویوں کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم میں بُڑھیا کے دھاگا کات کر اُسے توڑنے کی مثال والی آیت (92:16) ہمارے لیے ہی نازل کی گئی ہے۔ قرآن آج بھی نافذ العمل ہے اور آئینہ دکھانا چاہتا ہے کہ دیکھو! تمھارا حال یہی نہیں کہ غزل خود کاتتے ہو، پھر اُسے توڑتے ہو؟ دھاگا بناتے ہو، پھر دھاگا توڑتے ہو؟! اور اگر دھاگا بنا کر خود ہی توڑا جائے، تو نہ اس سے کسی غریب کا تن ڈھانپا جاسکتا ہے، نہ کپڑا بنایا جاسکتا ہے۔ تمھارے اس منافقانہ کردار کے نتیجے میں پوری بائیس تئیس کروڑ کی پاکستانی قوم کے لیے نہ لباس تیار ہوگا، نہ اُن کی ضروریات پوری ہوں گی۔ نہ اُن کے مسائل حل ہوں گے۔ نہ اُن کی غربت دور ہوگی۔ نہ اُن کے باقی امور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوں گے۔ یہ وہ عذاب ہے، جس سے قوم دوچار ہے۔ اور یہ عذاب اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا کی آیتوں کے یہ عملی منکر اپنے طے کیے ہوئے معاہدات اور معاملات کو توڑتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی منافقت سے بچائے۔ حقائق کو سمجھنے، شعور کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!‘‘

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت شیخ مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ

حضرت مولانا عبدالغفور اخوند سواتؒ کے خلفا میں سے شیخ مولانا نجم الدینؒ نے تحریکاتِ آزادی میں کردار کے حوالے سے بہت شہرت پائی اور اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مزاحمتی جدوجہد کو برقرار رکھا۔ جہاں انھوں نے اپنے باطنی فیوضات سے طالبانِ حق کو سیراب کیا، وہیں صاحبِ سیف ہونے کی حیثیت سے باشندگانِ بعید الوطن (انگریزوں) کے استبداد اور ظلم کے خلاف بھی کمربستہ رہے۔ ان کی ولادت غزنی (افغانستان) کے مضافات میں علاقہ شیلگر میں ہوئی۔ سلیمان خیل قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا خاندان علم و فضل کے لحاظ سے معروف تھا۔

حضرت شیخ مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز غزنی سے ہوا۔ بعد ازاں کابل میں رہ کر مختلف اساتذہ کرام سے تعلیم میں کمال حاصل کیا۔ درس و تدریس کی غرض سے جلال آباد کے قریب ہڈہ کے مقام پر مقیم ہوگئے۔ ابتدا میں یہ قیام عارضی تھا، لیکن زندگی کے آخری ایام بھی انھوں نے اسی قصبے میں گزارے۔ اسی نسبت سے ''ہڈے مُلاّ'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ہمیشہ سے ظلم و استبداد سے نفرت تھی اور اسی بات کی تلقین بھی اپنے متعلقین کو فرماتے رہتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا شوق انھیں حضرت عبدالغفور اخوندؒ کی خدمتِ اقدس میں لے آیا۔ سیدو شریف میں حضرت اخوند صاحب سواتؒ کی خدمت میں رہ کر جہاں سلوک و احسان کی منازل طے کر کے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، وہیں 1835ء میں اپنے پیرو مرشد کی رہنمائی میں پہلے سکھوں اور بعد میں انگریزوں کے خلاف علَمِ جہاد بلند کیا۔ مولانا نجم الدینؒ کی تمام تر کوششیں یہی تھیں کہ ہندوستان کو کسی طریقے سے انگریزوں کے ظالمانہ نظام سے آزاد کروا کر اسلامی اصولوں پر مبنی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔

حضرت اخوند عبدالغفورؒ نے کمال حکمتِ عملی سے سرحدی علاقے کے تمام قبائل کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ متحد ہو کر انگریز سامراج کے خلاف اپنا کردار ادا کریں۔ انھوں نے مہمند اور مالاکنڈ کی قیادت حضرت مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ کے سپرد فرما دی تھی۔ خاص طور پر علاقہ مہمند کی تمام مہموں میں مولاناؒ نے مجاہدین کی قیادت کے فرائض سرانجام دیے۔

1849ء میں جب انگریز پشاور پر قابض ہوگئے تو حضرت مولانا نجم الدینؒ کی جہادی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہوگیا اور اخوند صاحبؒ کی سربراہی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جماعتِ مجاہدین کی انھی کوششوں سے 1850ء میں علاقہ سوات و بُنیر میں قبائل کی ایک آزاد حکومت قائم ہوئی تھی، جو کہ سات سال تک بڑی کامیابی سے سیّد اکبر شاہ ترمذیؒ کی قیادت میں جاری رہی اور انگریز ہمیشہ اس حکومت سے خوف زدہ رہا۔

1857ء کی جنگِ آزادی کی بہ ظاہر ناکامی کے بعد ہندوستان کے حالات بدل گئے۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں نہ صرف یہ کہ دہلی کی سلطنت مسلمانوں سے چھن گئی، بلکہ اس کے اثرات سرحدی علاقوں میں بھی آنا شروع ہو چکے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ انتہائی منظّم انداز میں مزاحمتی تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ وقت کی اس ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جنگِ امبیلہ 1863ء میں مولانا نجم الدینؒ نے ایک بار پھر اپنے پیرو مرشد کی سربراہی میں تمام قبائل کو متحد کیا۔ اور ایسی منظّم منصوبہ بندی کی کہ دشمن بھی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

1878ء میں اخوند صاحبؒ کے وصال کے بعد تحریکی سرگرمیوں کی تمام تر ذمہ داری مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ کے کندھوں پر آگئی، جسے انھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ نبھایا۔ خانقاہی امور کی انجام دہی ہو، یا میدان جنگ میں دشمن کے خلاف صف بندی، ہر محاذ پر سرخرو ہوئے۔ علاقے کے لوگ ان پر بھرپور اعتماد کرتے تھے۔ انھوں نے بھی لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

1895ء میں جب انگریزوں نے باجوڑ سے عمرا خان کی حکومت کو ایک خون ریز لڑائی کے بعد ختم کیا تو اس وقت بھی مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ نے مالاکنڈ کے محاذ پر شجاعت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ اس معرکے میں انگریزوں نے تین بریگیڈ اور چار پہاڑی توپ خانوں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ مجاہدین کی منظّم مزاحمت کا نتیجہ تھا کہ انگریز کو تازہ دم فوج ملک کے دیگر علاقوں سے منگوانی پڑی۔ 1896ء میں عمرا خان نے خود ہی جنگ ختم کر کے افغانستان میں پناہ حاصل کی۔

1897ء میں مولانا سعد اللہ خانؒ المعروف بہ ''سرتور فقیر'' نے مالاکنڈ میں جب انگریزوں کے خلاف دوبارہ مہم جوئی کی تو مولانا ہڈے مُلاؒ صفِ اوّل میں شامل تھے۔ یہی وہ موقع تھا جب حاجی صاحب ترنگ زئیؒ دہلی سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے تربیت حاصل کر کے تشریف لاتے ہیں اور مولانا ہڈے مُلاؒ کے لشکر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ حاجی صاحب ترنگ زئیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر یہاں تشریف لائے تھے اور مولانا ہڈے مُلاؒ کی سربراہی میں علَمِ جہاد کو بلند رکھا۔ یوں اکابرینؒ کی جدوجہد کا یہ سلسلہ ایک جانب حضرت اخوند عبدالغفورؒ کے ذریعے حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے اور دوسری جانب حاجی ترنگ زئیؒ کے واسطے سے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے عظیم سلسلے سے منسلک ہو جاتا ہے۔ فکر و عمل کی یہی یکسانیت تھی، جس کی بدولت تحریکِ شیخ الہندؒ کی ایک شاخ باجوڑ میں اپنا کردار ادا کرتی رہی۔

حضرت مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ اپنے شیخ کے وصال کے بعد بھی 25 سال تک مسلسل مزاحمتی جدوجہد کی سربراہی فرماتے رہے۔ آخر وقت تک انگریزوں کے استبداد کے خلاف تلوار چلائی اور ہار نہ مانی۔ حریت و آزادی کی وہ شمع جو انھوں نے اپنے شیخ سے حاصل کی تھی، اپنے خلفا کے سپرد فرما کر 1902ء میں وصال فرمایا۔ ان کا مزار مبارک ہڈہ شریف جلال آباد میں مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت شیخ مولانا نجم الدین ہڈے مُلاؒ اکابرین کی طرح استقامت کا پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ (آمین یا ربّ العالمین!)

www.rahimia.org

سوانح حیات قطبِ عالم

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

مصنف: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

قطبِ عالم، شیخ المشائخ، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ برصغیر پاک و ہند کی ان جلیل القدر ہستیوں میں ایک ہیں، جن کے وجود پر یہ خطہ بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ علم و عمل، شریعت و طریقت اور سیاست و اجتماعیت کے مختلف میادین (میدانوں) میں آپؒ کی وقیع خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔

حضرت رائے پوریؒ کی متنوع الجہات دینی خدمات کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؒ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور اور نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی سمیت برصغیر کے مختلف مدارسِ دینیہ کی سرپرستی فرما کر علومِ شریعت کی نشر و اشاعت اور تحفظ و بقا کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ رائے پور کی خانقاہ میں بیٹھ کر راہروانِ راہِ طریقت و طے کنندگانِ جادۂ سلوک کے قلوب میں عشقِ الٰہی و محبتِ خداوندی کا جذبۂ محمود بھی پیدا کرتے رہے۔ اور دینِ اسلام کے غلبے اور خطے سے انگریز سامراج کے خاتمے کے لیے جرأت، عزیمت، استقلال، پامردی اور اولوالعزمی کے ساتھ ''تحریکِ ریشمی رومال'' میں قائدانہ کردار بھی ادا کرتے رہے۔ جامعیت کی یہ شان بہت کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے احوالِ زیست مختلف سوانحی و تاریخی کتب میں منتشر طور پر مرقوم ہیں، لیکن اس جامع الصفات ہستی کی مفصل سوانح وابستگان خانقاہِ عالیہ رحیمیہ پر ایک قرض تھا، جس سے سوانح نگار حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ بہ طریقِ احسن سبکدوش ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1998ء میں طبع ہوئی تھی اور ایک عرصے سے نایاب تھی۔ زیرِ نظر نیا ایڈیشن گراں قدر معلومات اور وقیع اضافہ جات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اکابر کی سوانح اور برصغیر کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

کاغذ، کمپوزنگ، جلد، طباعت بہتر (عمدہ) ہے۔

صفحات: 752۔ قیمت درج نہیں۔

رابطہ نمبر 042-36307714

(نقد و نظر، کتب نما، ماہنامہ ''الخیر''، ملتان۔ جامعہ خیر المدارس، ملتان

بابت ماہ ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ/ اگست 2017، شمارہ 11، ج 35، ص 52)

برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ

اردو ترجمہ التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد

مصنف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و معارف کے باکمال شارح، حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) کی سیاسی تربیت کا بے مثال نمونہ اور عصری سیاست کے قابلِ رشک رموز دان تھے۔ عمرِ عزیز کا ایک بہت بڑا حصہ دنیا کے مختلف حصوں میں گزارنے کی بدولت دنیا بھر میں ہونے والی سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی تبدیلیاں ان کے لیے شنیدہ نہیں، بلکہ دیدہ تھیں۔ خصوصاً برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے تو حضرت سندھیؒ خود صورت گر تھے۔ لہٰذا اس تختۂ براعظم کی سماجی تشکیل اور سیاسی تاریخ کے موضوع پر ان کے رشحاتِ قلم جس قدر معتبر اور باوثوق ہوسکتے ہیں، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت سندھیؒ نے برصغیر میں ہونے والی انقلابی تجدید اور سیاسی جدوجہد کو قوم کے سامنے منظّم و مرتب انداز میں پیش کرنے کے لیے ''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' کے نام سے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی۔ اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے اسے حضرت سندھیؒ کے ''افکارِ صالحہ کا ثمر'' اور صاحبِ ''نزهة الخواطر'' نے ''مِنْ أحْسَنِ مَا كَتَبَ'' (مولانا سندھیؒ کی تصانیف میں سب سے عمدہ) قرار دیا۔

چوں کہ ہمارے ہاں عربیت کا ذوق ناپید ہوچکا ہے، نیز عوام الناس اور اُردو دان حضرات کے لیے بھی اس کتاب کے مضامین بے حد مفید ہیں۔ لہٰذا اس کے اُردو ترجمے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ چناں چہ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری زید مجدہم نے اس عظیم کام کو اپنے ذمے لیا اور نہایت عمدگی، سلاست اور دل نشینی کے ساتھ کتاب کے چار مقالات میں سے تین مقالات کو اُردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ مترجم نے کتاب کے شروع میں ایک مفید مقدمہ اور حضرت سندھیؒ کے حالاتِ زندگی بھی درج کردیے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔

اس عظیم علمی و ملّی خدمت پر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری صاحب اور ادارہ ''رحیمیہ مطبوعات'' مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کاغذ، کمپوزنگ، جلد، طباعت بہتر (عمدہ) ہے۔ صفحات: 752۔ قیمت درج نہیں۔

رابطہ نمبر 042-36307714

(نقد و نظر، کتب نما، ماہنامہ الخیر، ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ/ اگست 2017، شمارہ 11، ج 35، ص 52-51)

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نظم | مولانا ظفر جنکپوری

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(مولانا ظفر جنکپوری کی یہ نظم ماہنامہ دینی مدارس (دہلی) کی خصوصی اشاعت ''امام شاہ ولی اللہ نمبر'' (بابت ماہ اپریل 1994ء) میں شائع ہوئی تھی، جو ماہنامہ ''رحیمیہ'' کے قارئین کی نذر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!)

خدا کی ذات سے منسوب ہو ، مردِ خدا تم ہو
ولی اللہ شیدائے محمدِ مصطفیٰ تم ہو

علومِ مصطفیٰ کے رازدارِ حق نما تم ہو
خدا شاہد ہے محبوبِ حبیبِ کبریا تم ہو

ہوئی روشن زمینِ ہند جس کے فیضِ باطن سے
وہ شمعِ نورِ حق، نورِ جمالِ مصطفیٰ تم ہو

عرب کی اور عجم کی سرزمیں جس سے ہوئی روشن
رسولِ پاکؐ کے گھر کی وہ شمعِ پُر ضیا تم ہو

محدث دہلویؒ تم کو زمانہ کہہ اُٹھا آخر
روایاتِ نبی کے پاسبانِ باوفا تم ہو

کیا سیراب لاکھوں تشنگانِ راہِ اُلفت کو
جو دل مایوس ہیں ، ان کے لیے اِک آسرا تم ہو

تمھیں نے جنگِ آزادی کا پرچم آ کے لہرایا
ہمارے مقتدا تم ہو ، ہمارے رہنما تم ہو

جہاں میں تم نے ایمان و یقیں ہر سمت پھیلایا
متاعِ دینِ احمد کے امینِ باوفا تم ہو

تمھیں نے ہند کو علم و یقیں کا نور بخشا ہے
وہ صوفی، عارفِ کامل ، ولیِ باصفا تم ہو

مشیت نے تمھیں وہ دولتِ علم و عمل بخشی
نگاہوں میں ظفر کی حق پرست و حق نما تم ہو

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال مَیں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے مال و دولت دے تو مَیں تین کھیت کی جگہ حاصل پور روڈ پر لے کر اللہ کے لیے وقف کر کے ایک مدنی مسجد اور مدرسہ مکی و روحانی مرکز بناؤں گا۔ مَیں نے اپنی اہلیہ کو حلف لے کر اپنا ہم نوا بنالیا۔ مَیں سعودیہ گیا۔ وہاں کاروبار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خوب مال و دولت دی، جس سے کئی پلاٹ، مکان اور جائیداد بنائی، مگر نذر پوری کرنے میں تاخیر ہوگئی۔ اب اپنی نذر پوری کرنے میں میرے بیوی، بچے آڑے آ گئے ہیں، جب کہ سب بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ اور وہ کاروبار کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ کئی بار کاروبار کے لیے بندہ سے بہ طور قرض پلاٹوں کو بکوا کر اُن کی قیمت کھا گئے اور پیسے واپس کرنے کے بجائے زدوکوب کر کے باقی جائیداد بھی اپنے نام لگانا چاہتے ہیں۔ کیا بندہ اپنی بقیہ جائیداد فروخت کر کے اپنی نذر پوری کرے، یا اہل و عیال اور بچوں کو دے دے؟ نیز بچوں نے قرض کے طور پر جو پیسے لیے، کیا وہ اس کو واپس لوٹانے کے پابند ہیں یا نہیں؟ میری بیوی پر اپنی قسم توڑنے کا کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ وہ بچوں کے ساتھ مل کر مسلسل بندہ کو پریشان کر رہی تھی اور نذر پوری کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ باقر حسین رضوی، چشتیاں

جواب i): نذر اور منت کے واجب ہونے کے لیے ضروری ہے جس چیز کے لیے نذر مانی جائے وہ عباداتِ مقصودہ میں سے ہو۔ مثلاً نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ۔ چوں کہ مسجد بنانا اگرچہ قربتِ الٰہیہ اور ثواب کا کام ہے، مگر عباداتِ مقصودہ سے نہیں۔ لہٰذا مسجد مدرسہ بنانے کی نذر لازم نہیں ہوئی۔ نذر ماننے والا نذر کی مقدار رقم کسی قدیم مسجد و مدرسہ اور دینی ادارے پر بھی خرچ کر سکتا ہے، البتہ سائل کی بیوی نے رکاوٹ ڈال کر چوں کہ اپنی قسم توڑ دی، لہٰذا اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

ii) بچوں کا والد کو زدوکوب کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے والد سے معافی مانگیں اور ان کو راضی کریں۔ ورنہ وہ اللہ کی ناراضگی کے مستحق رہیں گے۔

iii) بچوں نے والد سے جو قرض لیا ہے، اس کا ان پر لوٹانا ضروری ہے۔ نیز ان کا جائیداد فروخت کر کے اپنے نام لگوانے کا مطالبہ بھی درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

سوال اگر عید کی نماز میں امام زائد تکبیرات کہنا بھول جائے تو اس کے کیا احکام ہیں؟

جواب i) پہلی رکعت میں اگر رکوع میں جانے سے پہلے یاد آ جائے تو قراءت کے بعد ہاتھ اٹھا کر تکبیرات زائدہ کہے پھر رکوع کی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلا جائے۔

ii) اگر دونوں رکعتوں میں رکوع میں امام کو یاد آیا کہ تکبیرات زائدہ رہ گئی ہیں تو وہ رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیریں کہہ لے، قیام کی طرف نہ لوٹے۔

iii) اگر قیام کی طرف لوٹ کر تکبیریں کہیں تو یہ بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی، بوجہ کثرتِ اژدھام سجدہ سہو ادا نہ کرے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔

www.rahimia.org